تکفیر کے شرعی اصولوں پر نظر

ڈاکٹر عصمت اللہ ○

اس وقت امت مسلمہ میں بالعموم اور ہمارے ملک و معاشرے میں بالخصوص اسلام کے چاہنے، ماننے والوں اور لادین طبقے کے درمیان ایک کش مکش برپا ہے۔ سیکولر طبقات مسلمانوں کی عمومی زندگی سے ہی نہیں بلکہ ریاست اور اس کے اداروں سے بھی اسلام، دینی علامات اور شعائر کو مٹانے کی بھرپور کوشش کر رہے ہیں۔ اسلام اور اُمت مسلمہ کی محترم و مقدس شخصیات کو نشانہ بنایا اور ان کی توہین و تضحیک کی جارہی ہے۔ اس کام میں بڑی چالاکی سے سادہ لوح مسلمانوں کو لادین عناصر استعمال کر رہے ہیں۔ اس لیے ایمان و کفر کی حدود سے لاعلم حضرات کو اصل حقائق سے آگاہ کرنا ضروری ہے۔

دوسری طرف خود اسلام کے ماننے والوں کے درمیان بھی کوئی قابلِ رشک اتحاد و اتفاق نہیں پایا جاتا۔ فرقہ واریت کا زہر امت کے جسدِ واحد کو کھوکھلا کر رہا ہے، ایک دوسرے کے خلاف تکفیر، تفسیق اور تضلیل کے فتاویٰ صادر ہو رہے ہیں اور فتنہ کی سی صورتِ حال واضح نظر آرہی ہے۔

اس فتنۂ تکفیر کی جڑیں قدیم ہیں، تاریخی لحاظ سے اُمت مسلمہ میں سب سے پہلا اور خطرناک ترین فتنہ تکفیر ہی کا تھا۔ قرنِ اوّل میں خوارج نے تکفیر و تفسیق میں غلو سے کام لیا، حتیٰ کہ انھوں نے حضرت علیؓ، حضرت معاویہؓ، حضرت عمروؓ بن عاص کو بھی دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیا، اور قاتلانہ حملوں کا نشانہ بنانے کے لیے امن اور حُرمت کے شہر مکہ میں بیٹھ کر سازش تیار کی، اور منصوبے کے مطابق:

○ پروفیسر (سابق) ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد

- خلیفۂ راشد حضرت علیؓ کو ایک خارجی عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی نے مسجد کوفہ میں فجر کی نماز کے لیے آتے ہوئے قاتلانہ حملے کا نشانہ بنایا۔
- حضرت معاویہؓ کو برک بن عبداللہ نے فجر کے وقت نماز کے لیے آتے ہوئے قتل کرنے کی کوشش میں زخمی کر دیا اور حضرت معاویہؓ نے اس کو قتل کروا دیا۔
- حضرت عمرو بن العاصؓ کو نمازِ فجر میں حملہ کر کے، عمرو بن بکر تمیمی نے، منصوبے کے مطابق قتل کرنا تھا، لیکن اس روز وہ پیٹ میں تکلیف کے باعث نمازِ فجر کے لیے مسجد میں نہیں آسکے۔ انھوں نے اپنے پولیس چیف خارجہ بن ابی حبیب کو اقامت کا حکم دیا، جن کو عمرو تمیمی نے حضرت معاویہؓ کے شبہے میں قتل کر دیا۔[1]

خوارج کے اس فتنۂ تکفیر کے نتیجے میں اُمت مسلمہ تقسیم ہوئی، قتل وغارت اور ناحق خوں ریزی سے ہزاروں بے گناہ لوگ اپنی جان و مال سے محروم ہوئے۔ وقت گزرنے کے ساتھ خوارج کا وجود ختم ہوگیا، لیکن ان کی 'تکفیری فکر' آج تک ختم نہیں ہوئی۔ اسی 'تکفیری فکر' کی وجہ سے آج عالمِ اسلام کے کئی ممالک میں فساد اور خانہ جنگی اور ہیجان کی کیفیت برپا ہے۔ کفار ومشرکین نے مشکل وقت میں اپنے دشمن کو ختم کرنے کے لیے جن مسلمان 'حریت پسندوں' اور 'جاں بازوں' کی مدد کی تھی، وقت گزرنے اور اپنا ہدف پانے کے بعد انھی کو دہشت گرد قرار دے دیا گیا اور آج ان کو ہر قسم کے ظلم وتعذیب اور دہشت گردی کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ سامنے آیا ہے کہ جواباً انھوں نے بھی دہشت گردی کی اس جنگ میں جارح مغربی ممالک کا ساتھ دینے والے مسلم حکمرانوں اور ان کے اداروں اور فورسز کے خلاف کھلی یا چھپی جنگ شروع کرتے ہوئے موقف اختیار کیا ہے کہ: ''ہم یہ مسلح جدوجہد ان لوگوں کے خلاف کر رہے ہیں، جو مختلف وجوہ کی بنا پر، مرتد ہوکر دائرۂ اسلام سے خارج ہو چکے ہیں''۔

اس صورتِ حال میں عوام الناس ہی نہیں بلکہ تعلیم یافتہ طبقہ اور نیم خواندہ علما بھی واضح شرعی موقف کے معاملے میں پریشان فکری کا شکار ہیں۔ اس لیے بہت ضروری ہے کہ دین اسلام کی رہنمائی کو زیادہ واضح کیا جائے، کہ: کفر کیا ہے؟ اور تکفیر کے بنیادی اصول وضوابط کیا ہیں؟ اور تکفیر کا

---

[1] خوارج کی سازش کی تفصیلات دیکھیے: المعجم الکبیر للطبرانی، ج۱، ص ۱۰۴، قاہرہ

حق کس کو حاصل ہے؟ انھی سوالات کا جواب اس تحریر میں تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مختصر طور پر ان بنیادی اصول وقواعد کو بیان کیا گیا ہے، جن کو کسی مسلمان شخص کے ایمان اور کفر وارتداد کے متعلق رائے قائم کرتے وقت ملحوظ رکھنا شرعاً ضروری ہے۔

تکفیر میں جلدبازی اور بے احتیاطی کی ممانعت

اوّلین قاعدہ یہ ہے کہ کسی شخص کے کفر وایمان کا فیصلہ کرنے کا اختیار بھی شارع کا حق ہے۔ کسی مسلمان کے عقیدہ، ایمان و کفر کا فیصلہ، کسی صورت میں کسی کی ذاتی خواہش، سوے ظن، غلط فہمی، تعصب یا دشمنی کی بنیاد پر نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح کسی مسلمان کی تکفیر یا اس کو مشرک، بدعتی یا فاسق وفاجر قرار دینے یا کسی کے کفر وایمان کا فیصلہ کرنے کا حق واختیار عوام الناس، دین سے ناواقف لوگوں، یا میڈیا کو نہیں دیا گیا، بلکہ صرف راسخ اہلِ علم اور افتا کے منصب پر فائز افراد بھی مضبوط شرعی دلائل کی بنیاد پر ہی کوئی فیصلہ کرسکتے ہیں:

- اس ضمن میں پہلی بات یہ ہے کہ جس شخص کو شارع اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نام کی تعیین وتحدید کے ساتھ (جیسے ابلیس وفرعون، ابولہب)، یا کسی گروہ کا نام لے کر اجتماعی طور پر (جیسے گروہِ یہود ونصاریٰ یا مجوس وغیرہ)، یا کسی وصف وفعل کے ساتھ متصف ہونے (جیسے اللہ تعالیٰ، اس کے کسی پیغمبر، قرآن مجید، دین اسلام یا اس کے شعائر کی توہین) کی وجہ سے دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیا ہو، اس کے کافر ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔
- دوسری بات یہ ہے کہ کسی قول یا فعل یا تصرف کو اگر صراحت کے ساتھ شرعی نصوص میں کفر قرار دیا گیا ہو، تب بھی ضروری نہیں کہ اس کے مرتکبین دائرۂ اسلام سے خارج ہوجائیں، جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ تارکِ نماز کے بارے میں یہ رائے رکھتے ہیں کہ وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوگا، حالاں کہ احادیث میں ترکِ صلوٰۃ کو کفر قرار دیا گیا ہے۔

اُمت مسلمہ کے اسلاف میں تکفیر وتفسیق کا طریقہ نہیں تھا۔ وہ اس ضمن میں ان ارشاداتِ نبویؐ کی وجہ سے بہت احتیاط سے کام لیتے تھے، جن میں کسی کی تکفیر میں جلد بازی اور بے احتیاطی کی سخت ممانعت کی گئی ہے۔ اس ضمن میں کئی صحابہ کرامؓ سے روایات آئی ہیں، جن میں

حضرت انس بن مالکؓ [۱] حضرت ابوذر غفاریؓ [۲] حضرت ثابت بن ضحاکؓ [۳] حضرت ابوہریرہؓ [۴] حضرت عبداللہ بن عمرؓ [۵]، حضرت ابوسعید خدریؓ شامل ہیں۔ [۶]

امام ابن الوزیر صنعانی، محمد بن ابراہیم بن علی (م: ۸۴۰ھ) مسلمانوں کی تکفیر سے ممانعت والی احادیث کو 'متواتر' قرار دیتے ہیں۔ [۷]

حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ: میں نے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنا: لَا يَرْمِي رَجُلٌ رَجُلًا بِالْفُسُوقِ وَلَا يَرْمِيهِ بِالْكُفْرِ إِلَّا ارْتَدَّتْ عَلَيْهِ إِنْ لَمْ يَكُنْ صَاحِبُهُ كَذٰلِكَ [۸] ''جس شخص نے بھی کسی کو فسق و فجور اور کفر کا الزام دیا، اگر وہ اس طرح نہ ہو تو یہ بات خود کہنے والے پر لوٹ آئے گی''۔

اصولاً، ہر انسان مسلم، اور اس کا دین اسلام ہے

دوسرا اہم قاعدہ یہ ہے کہ ہر انسان فطرتاً اور پیدایشی طور پر مسلمان ہے۔ اس کے جدامجد حضرت آدمؑ، اللہ رب العالمین کے فرماں بردار مسلم تھے۔ نوعِ انسانی کی جانب، اللہ تعالیٰ کے اوّلین پیغمبر تھے۔ ان کی اولاد بھی اصلاً مسلم ہی تھی۔ بعد میں کفر و شرک اور معصیت میں مبتلا ہو کر

---

[۱] سنن سعید بن منصور، ج ۲، ص ۱۷۶، حدیث: ۲۳۶۷

[۲] بخاری، کتاب الادب، باب ما ینھی من السباب والکفر، حدیث: ۶۰۴۵

[۳] بخاری، کتاب الادب، باب ما ینھی من السباب واللعن، حدیث: ۶۰۴۷

[۴] بخاری، کتاب الادب، باب من کفّر اخاہ بغیر تاویل فھو کما قال، حدیث: ۶۱۰۳

[۵] بخاری، کتاب الادب، باب من کفّر اخاہ بغیر تاویل فھو کما قال: ۶۱۰۴؛ صحیح ابن حبان، ج ۱، ص ۴۸۳ ومسند ابوعوانہ، ج ۱، ص ۳۲، حدیث: ۵۴

[۶] صحیح ابن حبان، ج ۱، ص ۴۸۳، ذکر البیان بان من أکفر إنسانا فھو کافر لا محالۃ، حدیث: ۲۴۸

[۷] ایثار الحق علی الخلق فی رد الخلافات الی المذھب الحق من أصول التوحید، ص ۳۸۱، تالیف: محمد بن ابراہیم، دارالکتب العلمیہ، بیروت، الطبع الثانیہ، ۱۹۸۷ء، الاجزء: ۱)

[۸] بخاری، کتاب الادب، حدیث: ۶۰۴۵

لوگ اللہ تعالیٰ کے دین سے دُور ہوتے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّآ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ۱۹ (یونس ۱۰:۱۹) سب انسان ایک ہی اُمت تھے، پھر ان میں اختلافات پیدا ہوئے، اور اگر تمھارے ربّ کا فیصلہ پہلے سے موجود نہ ہوتا تو ان لوگوں کے اختلافات کا فیصلہ یہیں پر کر دیا جاتا۔

حضرت آدمؑ زمین پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث سب سے پہلے پیغمبر اور خلیفہ تھے:

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰۗىِٕكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاۗءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۭ قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۳۰ (البقرہ ۲:۳۰) پھر ذرا اس وقت کا تصور کرو جب تمھارے ربّ نے فرشتوں سے کہا تھا کہ ''مَیں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں''۔ انھوں نے عرض کیا: ''کیا آپ زمین میں کسی ایسے کو مقرر کرنے والے ہیں، جو اس کے انتظام کو بگاڑ دے گا اور خون ریزیاں کرے گا؟ آپ کی حمد وثنا کے ساتھ تسبیح اور آپ کے لیے تقدیس تو ہم کر ہی رہے ہیں''۔ فرمایا: ''میں جانتا ہوں، جو کچھ تم نہیں جانتے''۔

قرآنِ مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ منصبِ خلافت الٰہی، حضرت آدمؑ کی اولاد کو بھی حاصل ہے، چنانچہ سورۂ انعام میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَهُوَالَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰۗىِٕفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۚ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۱۶۵ (انعام ۶:۱۶۵، نیز ملاحظہ ہو قرآنی آیات: یونس ۱۰:۱۴، النمل ۲۷: ۶۲، فاطر ۳۵:۳۹) وہی ہے جس نے تم کو زمین کا خلیفہ بنایا، اور تم میں سے بعض کو بعض کے مقابلے میں زیادہ بلند درجے دیے، تاکہ جو کچھ تم کو دیا ہے اس میں تمھاری آزمایش کرے۔ بے شک تمھارا ربّ سزا دینے میں بھی بہت تیز ہے اور بہت درگزر کرنے اور رحم فرمانے والا بھی ہے۔

مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ (م: ۱۹۷۹ء) اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

اس آیت میں تین حقیقتیں بیان کی گئی ہیں:

ایک یہ کہ تمام انسان زمین میں خدا کے خلیفہ ہیں، اس معنی میں کہ خدا نے اپنی مملوکات میں بہت سی چیزیں ان کی امانت میں دی ہیں اور ان پر تصرف کے اختیارات بخشے ہیں۔

دوسرے یہ کہ ان خلیفوں میں مراتب کا فرق بھی خدا ہی نے رکھا ہے۔ کسی کی امانت کا دائرہ وسیع ہے اور کسی کا محدود، کسی کو زیادہ چیزوں پر تصرف کے اختیارات دیے ہیں اور کسی کو کم چیزوں پر، کسی کو زیادہ قوت کارکردگی دی ہے اور کسی کو کم، اور بعض انسان بھی بعض انسانوں کی امانت میں ہیں۔

تیسرے یہ کہ یہ سب کچھ دراصل امتحان کا سامان ہے۔ پوری زندگی ایک امتحان گاہ ہے، اور جس کو جو کچھ بھی خدا نے دیا ہے، اسی میں اس کا امتحان ہے کہ اس نے کس طرح خدا کی امانت میں تصرف کیا؟ کہاں تک امانت کی ذمہ داری کو سمجھا اور اس کا حق ادا کیا؟ اور کس حد تک اپنی قابلیت یا نا قابلیت کا ثبوت دیا؟ اسی امتحان کے نتیجے پر زندگی کے دوسرے مرحلے میں انسان کے درجے کا تعین منحصر ہے۔ [1]

اور اس خلافتِ الٰہی سے مقصود انسان کی تکریم و اعزاز ہے جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ (۱۷:۷۰) ''ہم نے آدمؑ کی اولاد کو ایک تکریم و اعزاز بخشا ہے'' کے علاوہ زمین کی آبادکاری و ترقی (جیسا کہ سورۂ ہود ۱۱:۶۱ میں فرمایا: هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا) اور اللہ تعالیٰ کے احکام و فرامین کی تنفیذ و تعمیل ہے۔

حضرت آدمؑ کے بارے میں قرآنِ مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلم اور نبی تھے، ان کو اللہ تعالیٰ نے علم کے ساتھ اپنی خلافت سے نوازا۔ حضرت آدمؑ کی اولاد نے اپنے والد سے وراثت میں ایمان کے ساتھ والد کی خلافت بمعنی جانشینی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی خلافت بمعنی نیابت پائی۔

ایک حدیث قدسی حضرت عیاض بن حمار مجاشعیؓ کی روایت سے بیان ہوئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز خطبہ دیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنِّيْ خَلَقْتُ عِبَادِيْ حُنَفَاءَ كُلَّهُمْ ،وَ اِنَّهُمْ أَتَتْهُمُ الشَّيَاطِيْنُ فَاجْتَالَتْهُمْ

---

[1] تفہیم القرآن، جلد اوّل، سورۂ انعام، حاشیہ: ۱۴۶

عَنْ دِيْنِهِمْ وَحَرَّمَتْ عَلَيْهِمْ مَا أَحْلَلْتُ لَهُمْ وَأَمَرَتْهُمْ أَنْ يُشْرِكُوا بِيْ مَا لَمْ أُنْزِلْ بِهِ سُلْطَانًا [1] میں نے اپنے بندوں کو توحید پر یکسو اور مسلم پیدا کیا، اب شیاطین (جنّ وانس) نے آکر ان کو ان کے اصل دین سے پھیر دیا، اور میرے حلال کردہ کو ان پر حرام کیا، اور ان کو میرے ساتھ ایسے شریک اور حصّہ دار ٹھیرانے پر آمادہ کیا جن کے لیے مَیں کوئی سند (اتھارٹی) نازل نہیں کی تھی۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر بچہ اسلامی فطرت پر ہی پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں، جس طرح جانور صحیح سالم عضووالا بچہ جنتا ہے، کیا تم اس میں سے کوئی عضو کٹا ہوا دیکھتے ہو؟ پھر حضرت ابوہریرہؓ نے یہ آیت آخر تک تلاوت کی: فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۭ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ (الروم ۳۰:۳۰) ''پس اے قرآنِ مجید کے خطاب کو سننے والے یک سُو ہوکر اپنا رُخ اس دین کی سمت میں جما دو، قائم ہوجاؤ اس فطرت پر، جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی بنائی ہوئی ساخت بدلی نہیں جاسکتی، یہی بالکل راست اور درست دین ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں''۔ [2]

مولانا امین احسن اصلاحیؒ (م: ۱۹۹۷ء) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: 'الدین' سے مراد اللہ کا حقیقی دین اسلام ہے جس کی دعوت اس کے تمام نبیوںؑ اور رسولوںؑ نے دی اور جس کی تکمیل نبی اُمی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے ہوئی۔ یہی دین اللہ تعالیٰ کا اصلی دین ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے: اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (اٰل عمرٰن ۳:۱۹) ''اصلی دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہے''۔ فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (الروم ۳۰:۳۰) یعنی ''ہر طرف سے کٹ کر اس دین فطرت کی پیروی کرو، جس پر فاطر فطرت نے لوگوں کو پیدا کیا ہے''۔ یہ اس الدین کی صحت وصداقت کی دلیل بیان ہوئی ہے جس کی طرف یکسو ہونے کی اُوپر والے ٹکڑے میں ہدایت فرمائی گئی ہے، کہ یہ دین کوئی خارج کی چیز نہیں ہے جو تم پر اُوپر سے لادی جارہی ہو،

---

[1] مسلم، الجنة وصفة نعيمها واهلها: ۶۲، ۲۸۶۵

[2] بخاری، کتاب الجنائز، باب اذا أسلم الصبی فمات هل يصلى عليه: ۱۲۷۱

بلکہ یہ عین تمھاری فطرت کا بروز اور تمھارے اپنے باطن کا خزانہ ہے، جو تمھارے دامن میں ڈالا جارہا ہے۔

اس سے واضح ہوا کہ جو فلسفی یہ کہتے ہیں کہ: انسان اپنی فطرت کے اعتبار سے ایک صفحہ سادہ اور تمام تر اپنے ماحول کی پیداوار اور الف و عادت کی مخلوق ہے، ان کا خیال بالکل غلط ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے بہترین ساخت اور بہترین فطرت پر پیدا کیا ہے۔ اس کو خیر و شر اور حق و باطل کی معرفت عطا فرمائی ہے اور نیکی کو اختیار کرنے اور بدی سے بچنے کا جذبہ بھی اس کے اندر ودیعت فرمایا ہے، لیکن اس کی یہ فطرت حیوانات کی جبلت کی طرح نہیں ہے کہ وہ اس سے انحراف نہ اختیار کر سکے بلکہ وہ اپنے اندر اختیار بھی رکھتا ہے، اس وجہ سے بسا اوقات وہ اس دنیا کی محبت اور اپنی خواہشوں کی پیروی میں اس طرح اندھا ہوجاتا ہے کہ حق و باطل کا شعور رکھتے ہوئے نہ صرف باطل کی پیروی کرتا ہے بلکہ باطل کی حمایت میں فلسفے بھی ایجاد کر ڈالتا ہے۔[1]

دین و ایمان کی حفاظت شریعت کا اوّلین مقصد

اسلامی شریعت کو انسان کا دین و عقیدہ بہت عزیز ہے۔ اسی کی بنیاد پر اس کا حساب کتاب ہوگا۔ اسی لیے ایمان اور عقیدے کی حفاظت کو مقصود قرار دے کر بے شمار نصوص میں اس کی تاکید آئی ہے اور مقاصدِ شریعت میں اس کو اوّلیت اور سب سے زیادہ اہمیت دی گئی ہے، گویا سب سے پہلے دین و ایمان ہے کہ: جس کی خاطر انسان کی جان، مال، عقل اور عزت و آبرو بھی قربان۔

دین و ایمان کی طرف دعوت کی خاطر انبیاے کرامؑ کو مبعوث فرمایا:

وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝ (الحدید ۵۷:۸) تمھیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ رسولؐ تمھیں اپنے رب پر ایمان لانے کی دعوت دے رہا ہے اور وہ تم سے عہد لے چکا ہے اگر تم واقعی ماننے والے ہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کفار و مشرکین کی ہدایت اور ایمان لانے کو بہت اہمیت دیتے، اور ہر ممکن کوشش کرتے تھے، حتیٰ کہ اس بارے میں فکر و سوچ اور محنت سے اپنے آپ کو گھلائے دے

[1] تدبر قرآن، ج ۶، ص ۹۳-۹۴، فاران فاؤنڈیشن، لاہور

رہے تھے کہ ربِ کریم نے خود اس فکرمندی کو اپنی کتاب میں ثبت فرما دیا:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا۝۶ (الکہف ۶:۱۸) اے پیغمبرؐ! اگر یہ اس کلام پر ایمان نہ لائیں تو شاید تم ان کے پیچھے رنج و فکر کر کر کے اپنے تئیں ہلاک کر دو گے؟

اور دین و ایمان کی دعوت تو انبیاء کرام، اولیا اور صلحاے اُمت کا طریقہ اور نقش قدم ہے:

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۝۱۰۸ (یوسف ۱۲:۱۰۸) کہہ دو میرا راستہ تو یہ ہے کہ مَیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں (از روئے یقین و بُرہان) سمجھ بوجھ کر۔ میں بھی (لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں) اور میرے پیرو بھی۔ اور اللہ پاک ہے اور مَیں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

ان سب آیات و احادیث سے ثابت ہوا کہ ہر نومولود بچہ جو کسی انسان کے ہاں پیدا ہوا، اور بالخصوص اسلامی معاشرے میں پیدا ہونے والا ہر بچہ شریعت کی نظر میں فطرتاً مسلم ہے۔ جب ہر انسانی نومولود کا ایمان و اسلام یقینی طور پر ثابت ہو گیا تو اب ہم کہتے ہیں کہ شرعی قاعدہ یہ ہے:

ایمان کا یقین، کفر و ارتداد کے شک سے ختم نہیں ہو سکتا

فقہ کے مشہور پانچ بنیادی اور کُلّی قواعد میں سے ایک قاعدہ یہ ہے کہ: اَلْيَقِيْنُ لَا يَزُوْلُ بِالشَّكِّ ،جس کا مفہوم یہ ہے کہ جب کوئی معاملہ یقینی طور پر منفی یا مثبت طور پر معلوم ہوجائے تو بعد میں آنے والے کسی بھی شک و تردّد سے وہ یقین ختم نہیں ہوگا۔[1]

یہ قاعدہ فقہی مسائل (فقہ اصغر) کے علاوہ ایمانی و کلامی مسائل (فقہ اکبر) کو بھی محیط ہے۔ بالخصوص ہر وہ مسئلہ کہ جس میں شک و یقین کی دونوں جہتیں پائی جائیں تو شک کو چھوڑ کر یقین والی جہت کو ترجیح دی جائے گی، کیونکہ اَلشَّكُّ اَضْعَفُ مِنَ الْيَقِيْنِ فَلَا يُعَارِضُهُ ثُبُوْتًا وَّعَدَمًا[2]

---

[1] الاشباہ والنظائر لابن نجیم،ص ۵۵

[2] شرح مجلة الاحکام العدلیة للاتاسی، ج۱،ص۱۸

''شک یقین سے بہرحال کمزور ہے، اس لیے ثبوت و عدم ثبوت دونوں میں اس کے مقابلے میں نہیں آ سکتا''۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں فرمایا ہے: اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا (النجم ۵۳:۲۸) ''یہ لوگ صرف ظن پر چلتے ہیں اور ظن یقین کے مقابلے میں کچھ کام نہیں آتا''۔

اس آیت میں یقینی طور پر ثابت شدہ چیز یعنی 'حق' کو چھوڑ کر، ظن وتخمین کے پیچھے چلنے والوں کی مذمت کی گئی ہے۔ چوں کہ تکفیر کے نتیجے میں متاثر شخص کی زندگی ہی نہیں بلکہ اس کے خاندان اور معاشرے پر بہت ہی دُور رس اثرات اور بڑے پیمانے پر نتائج مترتب ہوتے ہیں، اس لیے صرف شک وشبہہ یا ظن کی بنیاد پر کسی مسلمان کی تکفیر درست نہیں۔ شریعت نے ادنیٰ شبہے کی بنیاد پر حدود کی سزاؤں کو ساقط کر دیا، حالاں کہ حدود کی تنفیذ کے نتیجے میں انسان کی جان جاتی ہے، جب کہ کسی بھی شخص کا ایمان، اس کی زندگی اور جان کے مقابلے میں زیادہ قیمتی، مقدم اور افضل واولیٰ ہے۔ اس لیے محض شکوک وشبہات کی وجہ سے کسی مسلمان کی تکفیر کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔

اسی قاعدہ کا ایک ذیلی قاعدہ یہ ہے: مَا ثَبَتَ بِيَقِيْنٍ لَا يَرْتَفِعُ اِلَّا بِيَقِيْنٍ [1] ''جو بات یقینی طور پر ثابت ہو، وہ صرف یقین سے ہی ختم ہوسکتی ہے''۔

اس لیے جس شخص کا مسلمان ہونا یقین کے ساتھ ثابت ہو، اس پر کفر وارتداد کا حکم لگانے کے لیے یقینی اور پختہ دلیل کی ضرورت ہوگی۔ اسی لیے محقق اہلِ علم اس بات پر زور دیتے ہیں کہ: ''کسی کے کفر وارتداد کے سو میں سے ننانوے احتمالات موجود ہوں، تب بھی شرعی نصوص کا تقاضا یہ ہے کہ صرف ایک احتمال کو ترجیح دے کر اس کو مسلمان شمار کیا جائے''۔

۵- ظاہر حالت سے قطع نظر، پوشیدہ ایمانِ قلب مقبول ہے

شریعت کی نظر میں کسی بھی شخص کا ایمان واسلام بہت اہم، مطلوب ومقصود اور مقبول ہے، خواہ وہ دل میں پوشیدہ ہی کیوں نہ ہو، جس پر کوئی انسان مطلع نہیں ہوسکتا۔ اس کی واضح دلیل

---

[1] القواعد الفقہیۃ، محمد مصطفیٰ الزحیلی، ج ۱، ص ۱۸۷

حضرت عمار یاسرؓ کا واقعہ ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں ذکر فرمایا:

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾

(النحل ۱۶:۱۰۶) جو شخص ایمان لانے کے بعد کفر کرے (وہ اگر) مجبور کیا گیا ہو اور دل اُس کا ایمان پر مطمئن ہو (تب تو خیر) مگر جس چیز نے دل کی رضامندی سے کفر کو قبول کرلیا اُس پر اللہ کا عذاب ہے۔

حضرت عمارؓ بیان فرماتے ہیں کہ: وہ مشرکین کے ہتھے چڑھ گئے اور اس وقت تک انھیں نہیں چھوڑا گیا، جب تک انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بُرا بھلا کہہ کر ان کے باطل معبودوں کی تعریف نہیں کردی۔ جب نرغے سے نکل پائے تو روتے ہوئے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے، تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: عمارؓ! کیا بات ہے؟ آنکھوں سے آنسو پونچھتے ہوئے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! مشرکوں نے پکڑ لیا تھا اور اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک میں نے آپ کی شان میں گستاخانہ کلمات نہیں کہہ دیے اور ان کے جھوٹے معبودوں کا ذکر خیر نہیں کردیا۔ تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: کہو، دل کی کیفیت کیا ہے؟ تو عرض کیا: دل ایمان پر مطمئن ہے۔ رسولؐ اللہ نے فرمایا: اگر دوبارہ ایسی حالت میں گرفتار ہوجاؤ تو اسی طرح کرو۔ [1]

اس کی دوسری مثال شدت مسرت و فرحت میں، بغیر قصد و ارادے کے، کلماتِ کفر کا زبان پر جاری ہوجانا ہے، جیسے حضرات انس بن مالک، عبداللہ بن مسعود، نعمان بن بشیر، براء بن عازب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَلّٰهُ اَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهٖ حِيْنَ يَتُوْبُ اِلَيْهِ مِنْ اَحَدِكُمْ كَانَ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ بِاَرْضٍ فَلَاةٍ فَانْفَلَتَتْ مِنْهُ وَعَلَيْهَا طَعَامُهُ وَشَرَابُهُ فَاَيِسَ مِنْهَا فَاَتٰى شَجَرَةً فَاضْطَجَعَ فِيْ ظِلِّهَا قَدْ اَيِسَ مِنْ رَاحِلَتِهٖ فَبَيْنَا هُوَ كَذٰلِكَ اِذَا هُوَ بِهَا قَائِمَةً عِنْدَهٗ فَاَخَذَ بِخِطَامِهَا ثُمَّ قَالَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ : اَللّٰهُمَّ اَنْتَ عَبْدِيْ وَاَنَا

[1] المستدرک علی الصحیحین، ۲/۳۸۹، الحدیث: ۳۳۶۲

رَبُّكَ أَخْطَأَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ [1]

حضرت حارث بن سویدؓ سے روایت ہے کہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس ان کی عیادت کے لیے حاضر ہوا۔ وہ بیمار تھے تو انھوں نے ہمیں دو حدیثیں بیان کیں۔ انھوں نے کہا: میں نے رسولؐ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا: اللہ اپنے مومن بندے کی توبہ پر اس آدمی سے زیادہ خوش ہوتا ہے، جو ایک سنسان اور ہلاکت خیز میدان میں ہو اور اس کے ساتھ اس کی سواری ہو، جس پر اس کا کھانا پینا ہو، پھر وہ سو جائے، [لیکن] جب بیدار ہو تو دیکھے کہ اس کی سواری جا چکی ہے۔ وہ اس کی تلاش میں نکلے، یہاں تک کہ اسے سخت پیاس لگے۔ پھر وہ کہے: میں اپنی جگہ پر سو جاؤں یہاں تک کہ مرجاؤں، پس اس نے اپنے سر کو اپنی کلائی پر مرنے کے لیے رکھا [لیکن جب] پھر بیدار ہوا تو اس کی سواری اس کے پاس ہی کھڑی ہو اور اس پر اس کا زادِراہ اور کھانا پینا ہو۔ پھر زیادہ خوشی کی وجہ سے وہ یہ غلط کلمات کہہ دے: ''اے اللہ! تو میرا بندہ اور مَیں تیرا رب ہوں'' تو اللہ تعالیٰ مومن بندے کی توبہ پر اس آدمی کی سواری اور زادِراہ ملنے کی خوشی سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص ایسے کفریہ کلمات دہشت، ذہول ونسیان کی کیفیت میں، یا کسی علمی یا شرعی فائدے کی خاطر ذکر کرے تو اس پر کوئی گرفت نہیں۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس شخص کے کلمات کا ذکر کیا۔ [2]

توہینِ رسالت کے حوالے سے ظاہر حال کو ترک کر کے، دلی کیفیت اور قلبی نیت کو قبول کرنے کی ایک واضح مثال حضرت موسیٰؑ کا قصہ ہے، جس کو خود قرآنِ مجید نے نقل کیا ہے:

اور موسیٰؑ جب غصے اور رنج میں بھرے ہوئے اپنی قوم کی طرف پلٹے۔ آتے ہی انھوں نے کہا: ''بہت بُری جانشینی کی تم لوگوں نے میرے بعد! کیا تم سے اتنا صبر نہ ہوا کہ

---

[1] مسلم، کتاب التوبۃ، باب فی الحض علی التوبۃ والفرح بھا، حدیث: ۴۹۳۲

[2] فتح الباری، ج ۱۱، ص ۱۰۸ و ۳۱۴

اپنے ربّ کے حکم کا انتظار کر لیتے؟'' اور تختیاں پھینک دیں اور اپنے بھائی (ہارونؑ) کے سر کے بال پکڑ کر اسے کھینچا۔ ہارونؑ نے کہا: ''اے میری ماں کے بیٹے! اِن لوگوں نے مجھے دبا لیا اور قریب تھا کہ مجھے مار ڈالتے، پس تو دشمنوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دے اور اس ظالم گروہ کے ساتھ مجھے نہ شامل کر۔ تب موسیٰؑ نے کہا: اے ربّ، مجھے اور میرے بھائی کو معاف کر اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما، تو سب سے بڑھ کر رحیم ہے''۔ (الاعراف ۷:۱۵۰، ۱۵۱) ..... [پھر فرمایا:] ''پھر جب موسیٰؑ کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو اس نے وہ تختیاں اُٹھا لیں جن کی تحریر میں ہدایت اور رحمت تھی ان لوگوں کے لیے، جو اپنے ربّ سے ڈرتے ہیں''۔ (الاعراف ۷:۱۵۴)

دونوں آیات سے معلوم ہوا کہ: ● موسیٰؑ نے کوہِ طور سے ملنے والی، اللہ کے کلام کی اَلواح [تختیوں] کو نیچے پھینک دیا۔ وہ مقدس اَلواح گرنے کے بعد ٹوٹ گئیں۔ اس واقعہ کی تفصیل حدیث میں آئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:

قَالَ رَسُوْلُ اللہِ : لَيْسَ الْخَبَرُ كَالْمُعَايَنَةِ ، إِنَّ اللہَ عَزَّوَجَلَّ أَخْبَرَ مُوسٰى بِمَا صَنَعَ قَوْمُهُ فِي الْعِجْلِ ، فَلَمْ يُلْقِ الْاَلْوَاحَ ، فَلَمَّا عَايَنَ مَا صَنَعُوا ، أَلْقَى الْاَلْوَاحَ فَانْكَسَرَتْ [1]

● اپنے بڑے بھائی کی داڑھی اور سر کو پکڑ کر جھنجھوڑا اور اپنی طرف کھینچا۔

● اللہ تعالیٰ کے نبی ہارونؑ کی داڑھی اور سر کو پکڑ کر جھنجھوڑا اور اپنی طرف کھینچ کر ان کو اذیت پہنچائی۔ یہ تینوں باتیں نہ صرف یہ کہ گناہ ہیں بلکہ ان کا مرتکب دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں اس کے باوجود حضرت موسیٰؑ کا ذکرِ خیر ہی کیا ہے، اور کہیں ان باتوں کی وجہ سے ان پر نکیر یا ناراضی کا اظہار نہیں کیا۔ اگرچہ یہ ساری باتیں، توہین مقدسات میں شمار ہوتی ہیں اور انسان کو دائرۂ اسلام سے خارج کرتی ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ پر کوئی ناراضی یا نکیر ذکر نہیں فرمائی۔ (جاری)

---

[1] مسند احمد الحدیث: ۲۴۴۷